مطالعات و تعلیقات

از قاضی اطہر مبارکپوری

محبتِ رسولؐ :- حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم جماعتِ صحابہ کو یہ بات بہت خوشگوار معلوم ہوتی تھی کہ بادیہ اور صحرا کا کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی سوال کرے اور ہم لوگ بھی سوال و جواب کو سنیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ اس نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ نماز کے لئے اقامت ہونے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے اٹھ گئے، فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس اعرابی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا تم نے قیامت کیلئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے بڑی سادگی مگر بڑی عزیمت کے ساتھ عرض کیا میں نے قیامت کے لئے از قسم روزہ نماز کوئی بڑی تیاری تو نہیں کی ہے، البتہ میں اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، یہ سن کر آپ نے فرمایا :-

المرء مع من احب یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

حضرت انسؓ اپنا تاثر ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے مسلمان جس قدر خوش ہوئے تھے، میں نے ان کے اسلام لانے کے بعد اس طرح خوش ہوتے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔[1]

اس اعرابی نے یقین و ایمان کی مضبوطی و پختگی کے ساتھ جس انداز میں مختصر سا سوال کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق مختصر سا جواب دیدیا، مگر یہ جواب اتنا جامع تھا کہ جوابات کے دفتر کے دفتر اس میں آگئے ہیں۔ یہ کلمہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ یعنی ایسے کلمات میں سے جو الفاظ میں بہت ہی مختصر ہوتے ہیں مگر معنی مطلب میں بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کلمات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و خصوصیات میں سے ہیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم زبان رسالت سے یہ بات سن کر اس قدر خوش اور مطمئن ہوئے کہ گویا اسلام کی دولت کے بعد ان کو یہ دوسری دولت ملی تھی اور کیوں یہ بات نہ ہو؟ قیامت میں رسولؐ کی معیت وصحبت سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

اے مسلمانو! تم بھی اللہ و رسول سے پوری پوری محبت وعقیدت رکھو، یہ بڑے کام کی چیز ہے اور اس سے ایمان ویقین کا محکم قلعہ تعمیر ہوتا ہے، یقیناً عمل کے بغیر عقیدت ومحبت بیکار ہے مگر عقیدت ومحبت کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا ہے۔

عمل سے زیادہ قبولیت کا اہتمام :- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کونوا لقبول العمل اشد اهتماماً منکم بالعمل

تم لوگ عمل کرنے سے زیادہ عمل کے قبول ہونے کا اہتمام کرو، اس لئے کہ

[1] الادب المفرد وکتاب الزہد ص۲

فانہ لن یقبل عملٌ مع التقوی، و کیف یقبل عملٌ یتقبل[1]

بعض اعمال تقوی کے باوجود مقبول نہیں ہوتے ہیں تو کوئی عمل قبول کرانے سے کیسے مقبول ہوگا؟

دین و دیانت اور ایمان ویقین کی کتنی گہرائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبولیت عمل کا یہ راز دریافت فرمایا ہے اور مسلمانوں کے سامنے نیک اعمال کے بارے میں کتنی اہم بات رکھی ہے، کتنے نیک اور دیندار لوگ ہیں جو نیکی کے کام کرتے ہیں، صدقات وخیرات کرتے ہیں۔ نماز روزہ کرتے ہیں۔ برائیوں سے رکتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔ دوسروں کو برائیوں سے روکتے ہیں اور نیکی کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ سب نیک اعمال ہیں، پھر وہ اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں مگر اپنے نیک اعمال کے دربار صمد وبے نیاز میں مقبول ہونے کا اہتمام اس کے مقابلہ میں کم کرتے ہیں یا کرتے ہی نہیں، بہت سے لوگ بظاہر کوئی اچھا کام کر لیتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اجر وثواب کا کام ہوگیا مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کی قبولیت ہوئی یا نہیں اور اس پر اجر وثواب مرتب ہوا یا نہیں؟ اسی کو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے زیادہ نیکی کے مقبول ہونے کا اہتمام کرنا چاہیئے، یعنے اس کے لئے پاک کمائی، پاک نیت، ایمان ویقین، اخلاص وللہیت کا اہتمام بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کہیں سے ریا ونمود، دنیاوی مصلحت و مآل اندیشی اور جبر وضیق نہیں ہونی چاہیئے۔ کتنے اعمال ظاہری تقوی طہارت کے ساتھ کئے جاتے ہیں مگر ان کی تہ میں کوئی کسر ہوتی ہے جس سے ان کی مقبولیت نہیں ہوتی تو پھر ان اعمال کی قبولیت کیسے ہوگی جن کو یونہی قبول کرانے کی کوشش کی جائیگی بغیر خلوص وللہیت کے ان میں کیف وکم پیدا کرنے کی تمنا عبث اور لاحاصل ہے۔

ننگ علم وعلماء :- ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل علم کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا

[1] تاریخ الخلفاء ص۱۲۳

اے حاملین قرآن! تم لوگ قرآن پر عمل کرو، کیونکہ عالم وہی ہے جو پہلے علم حاصل
کرے پھر اس پر عمل کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے مطابق ہو۔ آگے چل کر ایسے لوگ
پیدا ہوں گے جو علم کے حامل ہوں گے مگر ان کا علم ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا۔
اور ان کا باطن ان کے ظاہر کے خلاف ہوگا۔ اور ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا، وہ
اپنے اپنے حلقے اور پارٹیاں بنا کر بیٹھیں گے، اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ یہاں تک کہ
اگر کسی کا کوئی شاگرد دوسرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے گا تو اس پر غصہ ہوں گے اور
اس سے ترک تعلق کریں گے۔ یہ ایسے عالم ہوں گے کہ ان کے اعمال ان کی مجلسوں میں
اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھیں گے یعنی مقبول نہیں ہوں گے۔[1]

آج بالکل عام اہل علم کی یہی روش ہے ان کے علم و عمل اور ظاہر و باطن میں
مطابقت نہیں ہے، گلے بازی اور وعظ گوئی تک ان کا معاملہ ہے، ان کے اپنے اپنے حلقے
ہیں جن میں مخصوص قسم کے مولوی عالم جمع ہوتے ہیں اور اگر کوئی عالم فکر و نظر کی وسعت اور اسلامی
تعلیم کی روشنی میں دوسرے اہل علم سے تعلق پیدا کرے تو اسے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ
صورت ایک مکتب فکر اور ایک مسلک کے علما تک میں عام ہے اور آپس میں گروہ در گروہ
پیدا کر کے عام مسلمانوں میں انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ اور اپنی پارٹی کو ساجنے کے لئے ہر وہ
تدبیر کرتے ہیں جو ان کے کام آسکے چاہے ان کے مقام و مرتبہ سے کتنی ہی گری ہوئی ہو،
یا فی نفسہ کتنی ہی بری ہو۔ اپنے حلقہ کے بڑے مولوی عالم کے لئے جھوٹی جھوٹی کرامت
بنانا بھی آج عام ہے، اور غلط بیانی کا رنگ آج بھی بہت گہرا ہے، اللہ تعالیٰ طبقۂ علماء
کو عقل و شعور اور علم کے ساتھ عمل کی توفیق سے نوازے کہ اس میں امت کی اور خود انکی بھلائی ہے

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۲۳

علماء کی دولت کے فیوض و برکات

حضرت امام ابوذر محمد بن فضل بن عبداللہ
بن مخلد بن ربیعہ تمیمی شافعی جرجانی
متوفی سنہ ۳۲۴ھ رحمۃ اللہ علیہ جرجان کے مشہور علماء میں سے تھے، ان کے تذکرہ میں
خاص بات یہ لکھی ہے:

کان رئیس جرجان فی زمانہ
وکان له افضال وعطاء ودارہ
مجمع الفضلاء والعلماء [1]

وہ اپنے زمانہ میں جرجان کے رئیس تھے
اور ان کی داد و دہش اور جود و سخا کا بڑا
شہرہ تھا۔ ان کا گھر علماء و فضلاء سے
معمور رہا کرتا تھا۔

عام طور سے علما معاشی اعتبار سے خستہ حال ہوتے ہیں اور ان کی خستہ حالی
ہی میں علم دین کی ترقی ہے، اگر یہ طبقہ دنیاوی اعتبار سے اونچا ہو جائے تو علوم اسلامیہ
کی خدمت کون کرے گا؟ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو معاش و معیشت کے معاملہ میں واجبی واجبی
انداز میں رکھتا ہے، مگر جب ان میں سے کسی کو دنیاوی جاہ و جلال سے نوازتا ہے تو عام
طور سے ان کی علمی اور دینی حیثیت دنیاوی جاہ و حشم کے انداز میں ظاہر ہوتی ہے اور
وہ اپنے مال و دولت کے ذریعہ دین کی خدمت کرتے ہیں۔ جود و سخا اور داد و دہش میں ان کے
دل کھلے ہوتے ہیں، وہ ارباب علم و فضل کی قدر و منزلت کرتے ہیں، اور ان کا کاشانہ
علما و فضلا سے ہر وقت بھرا رہتا ہے، اوپر ایک مثال بیان کی گئی ہے اور اسی طرح
کے بہت سے علماء کے حالات کتابوں میں ملتے ہیں، بات یہ ہے کہ علماء دنیاوی حیثیت
اور مال و دولت کے صحیح مصرف سے واقف ہوتے ہیں اور جب ان کے پاس دولت

[1] تاریخ جرجان ص ۳۶۷

آجاتی ہے تو اس میں سے شریعت کے مطابق تصرف کرتے ہیں۔ ویسے عام طور سے غلمار کی تنگدستی ان کو آمد و خرچ کے معاملہ میں اعتدال پسند بنا دیتی ہے اور وہ فضول خرچی سے بہت زیادہ بچتے ہیں، اس لئے بعض مرتبہ ان کے بخل کا خیال ہوتا ہے، یا ان کی تنگ دلی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کے مزاج میں بڑا اعتدال ہوتا ہے۔

موت کی تمنا نہ کرو :- موت برحق ہے کوئی چاہے یا نہ چاہے آئیگی اور ضرور آئے گی، اس لئے اس کے واسطے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے مگر بات بات پر موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا کسی تکلیف کی وجہ سے نہ کرے۔ اگر کسی وقت ایسا موقع آجائے تو یوں دعا کرے اے اللہ! تو مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے اور وفات بہتر ہے تو وفات دیدے [1]

بہت سے لوگ اس بارے میں غیر ذمہ دار اور جری ہوتے ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر اپنے کو بدترین گالی گفتاری دیتے ہیں۔ اپنے پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور موت کی تمنا کرتے ہیں حالانکہ وہ اتنے بزدل ہوتے ہیں کہ معمولی معمولی بات برداشت نہیں کر سکتے، خدانخواستہ اگر کبھی دنیا سے بیزاری کسی مصیبت کی وجہ سے ہو جائے تو حدیث کی بتائی دعا پر عمل کرو،

صدقات وخیرات :- حضرت زینب بنت نصر مشہور تابعیہ ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ کوفہ کی چند عورتوں کے ساتھ ام المومنین

[1] بخاری شریف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، ہم ان کی خدمت میں موجود تھیں کہ ایک شخص نے سوال کیا، ام المومنین کے پاس اس وقت انگور تھے۔ آپ نے ان میں سے چند دانے سائل کو دئے، یہ دیکھ کر میری ساتھی عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگیں، اس پر حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا۔

اکوفیات انتن، فقلنا نعم، فقالت ان فیما ترین مثاقیل ذرۃ کثیرۃ [1]

کیا تم سب کوفہ کی رہنے والی ہو؟ ہم نے ہاں کہا تو آپ نے فرمایا کہ جو چند انگور کے دانے تم دیکھ رہی ہو ان کے اجزار کے اوزان بہت زیادہ ہیں۔

کوفہ کی یہ عورتیں ام المومنین حضرت عائشہ کی خدمت میں ان کی زیارت اور حصول علم و برکت کے لئے مدینہ تک آئی تھیں اور ان سے دین کی باتیں سننا چاہتی تھیں حضرت عائشہ فقہیات امت میں ریاست وصدارت کا مقام رکھتی ہیں، ان سے عورتوں کے شعبہ کا آدھا دین مروی ہے، ان کے فتادے اگر جمع کئے جائیں تو اچھے خاصے ضخیم مجلدات میں آسکتے ہیں۔ اجلۂ صحابہ و تابعین ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل و احادیث کے بارے میں آخری باتیں معلوم کرتے تھے، یہ عورتیں بھی ان کی خدمت میں دین کی باتیں سننے اور جاننے کے لئے آئی تھیں، عورتوں کو بھی موقع اور فرصت کے اوقات میں دین کی معلومات کے لئے کوشش کرنی چاہیئے

جب حضرت عائشہ رضہ نے فقیر کو انگور کے چند دانے دئے تو ان عورتوں نے ان کو بہت کم سمجھا اور آپس میں اشارے بشارے کر کے مسکرانے لگیں حضرت عائشہ

[1] کتاب الاموال ص۳۵۳

سمجھ گئیں کہ یہ عورتیں کوفہ کے عیش و عشرت کے ماحول میں رہ کر اونچے ذہن و مزاج کی ہو گئی ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ چند دانے بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم کوفہ کی رہنے والی ہو؟ خاص طور سے کوفہ کے بارے میں سوال کرنے کا منشا یہی تھا کہ وہاں کا تمدن اونچا ہے اس لئے یہ سب چند دانے انکو کو بہت کم سمجھتی ہیں۔ پھر آپ نے ان کے ذہن و مزاج کی رعایت سے فرمایا کہ ان چند دانوں میں اوزان و مقادیر بہت زیادہ ہیں۔ اور ان کی یہ بظاہر کمیت باطنی کیفیت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مند سائل کو کبھی محروم نہیں فرمایا۔ بلکہ حکم دیا ہے کہ اگر کچھ نہیں، تو تھوڑا بہت ہی اسے دیا جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اسی پر عمل کیا۔

درختوں اور پھلوں کا صدقہ :- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان ایک پودا لگاتا ہے اور اس میں سے جو کچھ کھایا جاتا ہے وہ اس کے حق میں صدقہ ہے، اور اس میں سے جو کچھ چرایا جاتا ہے وہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اور اس میں کوئی کچھ نقصان پہونچاتا ہے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔[1]

ایک دوسری حدیث میں مزید تشریح ہے کہ جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے اور اس میں سے کوئی انسان یا جانور یا پرندہ کھاتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے، اور یہ بات قیامت تک جاری رہے گی۔

صدقات و خیرات کا اجر و ثواب جو کچھ اسلام میں ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کی صورتیں

[1] مسلم شریف

اس قدر زیادہ اور آسان ہیں کہ ہر مسلمان صدقات و خیرات کا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے اور ہر طبقہ کے لوگ اس سے اپنا حصہ لے سکتے ہیں۔ صرف مال و دولت والے ہی صدقات و خیرات کے اجر و ثواب کے حقدار نہیں ہیں بلکہ غریب مساکین، کسان اور گیا گذرا آدمی بھی اس کار خیر سے اپنا حصہ پا سکتا ہے، مثلاً کسی نے ایک درخت میدان میں لگا دیا جس میں پھل آئے، اس سے راہی، مسافر، چرند، پرند، چوپائے، انسان سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان سب کی وجہ سے درخت والے کو خیرات کا ثواب ملتا رہتا ہے سبک روح و سبک جسم پرندے کھائیں یا چوپائے گائے بکری کھائیں یا پھر کیڑے مکوڑے چوہے، گلہری وغیرہ کھائیں یا پھر اشرف المخلوقات انسان کھائیں سب کے کھانے میں درخت کے مالک کا فائدہ ہے، اور کسی حالت میں اس کا نقصان نہیں ہے۔ جو پھل گھر میں آیا اور بال بچوں نے کھایا اس کا فائدہ گھر پہونچا۔ اور جو دوسروں نے کھایا اس کا فائدہ دوسری شکل میں ملا۔ بہرحال دونوں حالت میں فائدہ ہے۔ نقصان نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ جو شخص کسی کے باغ یا درخت یا کھیت سے چوری کرے گا، وہ چور اور گنہگار ہوگا اور اگر پکڑ لیجائے تو اسے چوری کی سزا لے گی۔ مگر صاحبِ مال کو اس کے مال گم ہونے پر ثواب ملے گا۔ اسی وجہ سے بہت سے حوصلہ مند اور وسیع القلب لوگ اپنے باغ اور کھیت سے خلق اللہ کے فائدہ اٹھانے سے خوش ہوتے ہیں مگر جب کہ بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جائے مثلاً بھوک پیاس کی شدت ہو اور سامنے درخت آجائے تو اس سے بقدر ضرورت دو چار پھل کھا لیا جائے۔ یہ نہیں کہ کسی کے باغ میں چوری کی جائے یا اسے ویران کر دیا جائے، بہرحال اپنی چیز سے خلق اللہ کو فائدہ ہو یہ بڑے ثواب و سعادت کی بات ہے۔ اور اس سے برکت ہوتی ہے۔ ہاں اگر لوگ غلط فائدہ اٹھائیں جیسا کہ

آج کل یہ صورت ہے۔ تو عام طور سے غلط فائدہ اٹھانے کا ذہن کام کرنے لگے گا تو ایسی صورت میں اپنی چیز کی سخت نگرانی کرنی چاہئیے اور اس حالت میں بھی اگر کوئی ضرورت مند اور حاجت مند معلوم ہو تو اس کو اپنے پھل اور باغ سے مستفید ہونے کا موقع دینا چاہیے کہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ جاریہ ہے۔

آقا اور نوکر :- ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام قنبر کو بلایا مگر وہ نہیں آئے، پھر دوسری بار آواز دی اور وہ نہیں آئے۔ پھر تیسری بار آواز دی اور وہ نہیں آئے۔ اب حضرت علیؓ خود اٹھ کر ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ قنبر لیٹے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کیا تم نے میری آواز نہیں سنی تھی؟ قنبر نے عرض کیا ضرور سنی تھی، حضرت علیؓ نے فرمایا تو پھر کیوں نہیں اٹھے؟ قنبر نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے عرض کیا۔

امنتُ عقوبتک فتکاسلتُ — مجھے معلوم تھا کہ آپ سزا نہیں دیں گے اس لئے سستی کر بیٹھا۔

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا تب تم جاؤ اللہ کے لئے آزاد ہو۔

اور آپ کا کوئی نوکر ملازم کسی دن آپ کے اخلاق و تعلق پر اعتماد کر کے کسی کام میں ذرا سستی کر دے تو کیا آپ بھی اس کے ساتھ شرافت و انسانیت کا ہی معاملہ کریں گے، یا اپنی بڑائی کے زعم میں اس کے ساتھ بدتمیزی اور سختی سے پیش آئیں گے؟ بڑا آدمی بننا اور ہے اور بڑا آدمی ہونا اور ہے۔

مزدور اور مالک :- بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ میں ان کا

مدمقابل ہوں گا قیامت کے دن، (۱) وہ آدمی جس نے میرا نام یا میرے واسطہ سے کوئی عہد و پیمان کر کے غداری کی اور وعدہ پورا نہ کیا۔ (۲) وہ آدمی جس نے کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔ (۳) وہ آدمی جس نے کسی مزدور سے کام تو پورا لیا مگر اس کو اجرت اور مزدوری نہیں دی۔

ان تینوں بدنصیب گنہ گاروں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے اور ان سے باز پرس کریں گے، ان میں تیسرے شخص کے بارے میں جو بات بیان کی گئی ہے، ان کا ظہور ہمارے زمانہ میں عام طور سے ہوتا ہے اور مزدور و اجیر سے پورا کام لیکر پوری مزدوری اور اجرت نہیں دیجاتی ہے۔ ایک مالک دن بھر اپنے مزدوروں سے کام لیتا ہے اور شام کو اتنے پیسے نہیں دیتا کہ اسکا اور اس کے بال بچوں کا پیٹ بھر سکے وہ بھی ایسی حالت میں کہ مالک کو نفع در نفع ہو رہا ہے تو ایسے مسلمان مالک کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے چاہے وہ نماز روزہ کرتا ہو یا متقی اور پارسا ہو، اس کا تقویٰ اور اس کی عبادت اس کے اس غلط عمل کیلئے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ آج کل ایسے سیٹھ کارخانہ دار اور مالک کافی نظر آتے ہیں جو بظاہر بہت دیندار، مذہبی اور متقی قسم کے معلوم ہوتے ہیں مگر کاروبار میں اور اپنے آدمیوں کے معاملہ میں انتہائی بددیانت، بدمعاملہ، اور بدنیت ہوتے ہیں اور اس گراوٹ کو "دھندا" کا نام دے کر جائز سمجھتے ہیں۔

مٹی بھی سونا بن جاتی ہے :- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مالدار ترین صحابی ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی بے پناہ دولت و ثروت کے مالک تھے اور اسلام میں بھی ان کا تموّل باقی رہا، انہوں نے اہل قریش اور

تک کے وہ دوسرے مالداروں کی طرح یہ نہیں سوچا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد دولت باقی نہیں رہ سکے گی ضعفائے اسلام اور غربا و مساکین میں خرچ کرنی پڑے گی، غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ان ہی جیسی زندگی گذارنی پڑے گی، بلکہ نہایت انشراح و انبساط کے ساتھ اسلام قبول کیا اور وہی ہوا جو اس وقت ہوتا تھا یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی تمام دولت سے ہاتھ دھونا پڑا اور دیگر ضعفائے اسلام کی طرح وہ بھی بے پناہی کے عالم میں حبشہ کو ہجرت کر گئے، پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت عامہ ہوئی تو یہاں چلے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ربیع خزرجی رضی اللہ عنہ سے ان کی بھائی بندی کرا دی،..

سعد بن ربیع نے کہا کہ آپ میرا آدھا مال لے لیں۔ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک سے آپ نکاح کر لیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے دینی بھائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ بارک اللہ تم مجھے یہاں کا بازار بتا دو، میں خود اپنا سامان کر لوں گا، چنانچہ دوسرے دن صبح کو بازار گئے اور شام تک اتنا سرمایہ لیکر لوٹے کہ جو ان کے لئے کافی ہو، اس کے بعد یومًا فیومًا ترقی کرتے رہے، خود ان کا بیان ہے۔

لقد رأيتني ولو رفعت حجرا لظننت — پھر تو یہ حال تھا کہ میں جو پتھر اٹھاتا تھا
اني ساجد تحته ذهبا او فضة — تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے نیچے سونا یا چاندی ہے

آج کل کے بہت سے ناعاقبت اندیش اس جملہ کو سن کر حیرت میں ہو جائیں گے مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں ایسے دولت مند بھی ہوتے ہیں جن کو بغیر ہاتھ پیر مارے روزی ملتی ہے، اور مال و دولت کی آواز ان کے کان میں آتی ہے۔ مگر یہ کیسے مالدار ہوتے ہیں

مگر کب؟ :- ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ عیش و تنعم کا اثر ان کے جسم پر ہے، فرمایا اے ابن عوف! تم اغنیاء میں ہو

ہو اور تم جنت میں گھسٹتے گھسٹتے جاؤ گے اس لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تاکہ وہ تمہارے دونوں قدموں کو آزادی کے ساتھ جنت کی طرف چلنے کی طاقت دیدے۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں کیا خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا آج تمہارے پاس جتنا مال ہے اسے صدقہ کر دو، عبدالرحمٰن نے عرض کیا یا رسول اللہ جتنا مال ہے سب صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، یہ سنتے ہی عبدالرحمٰن چلے تاکہ حکم رسول کی تعمیل میں اپنی تمام دولت صدقہ کر دیں جس طرح کہ اسلام لانے کے وقت اپنی تمام دولت سے ہاتھ دھو لیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرما لیا کہ عبدالرحمٰن ابھی تمام دولت تقسیم کر دیں گے، پھر کہلا بھیجا کہ ابھی ابھی جبرئیل نے آکر خبر دی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف مہمانوں کی میزبانی کریں، مسکین کو کھانا کھلائیں، سائل کا سوال پورا کریں، اور جن کی پرورش ان کے ذمہ ضروری ہے ان سے مالی نیکی شروع کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو ان کے مال کی طہارت اور صفائی ہو جائے گی، یہ عبدالرحمٰن بن عوف کی سرمایہ داری ہے جو حکم رسول پر سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہیں۔ اور ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ پھر کیا ہوگا؟ ان جیسے اللہ و رسول کے نام پر دولت کمانے والوں اور خرچ کرنے والوں کو ہر پتھر کے نیچے سونا چاندی نظر نہیں آئے گا تو کیا ان آنکھوں کو نظر آئے گا جن میں دولت کا کینسر ہو گیا ہے۔

نقطۂ نظر کا فرق :- مشہور عرب مفکر و فلسفی ابو العلاء معری نے اپنے خاص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے یہ اشعار کہے ہیں۔

كم عاقل عاقل اعيت مذاهبه ؛ وجاهل جاهل تلقاه مرزوقا

بہت سے عقلمندوں کی روزی کے راستے تنگ ہیں اور بہت سے جاہل کو تم روزی ملا ہوا دیکھو گے

فمن الذی ترک الاوہام حائرۃً   وصیّر العالم النحریر زندیقاً

اس صورتِ حال نے عقل وگمان کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور نہ بردلت عالم کو ملحد اور بے دین بنادیا ہے۔

ابوالعلاء معرّی کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ رزق و روزی کا معاملہ عجیب ہے۔ بہت سے ارباب عقل وفہم اور اہل علم وفن بے کار، بے روزگار اور بے روزی کے ہیں جب کہ بہت سے جاہل اجڈ ٹھاٹھ اور بے فکری سے روزی پاتے ہیں۔ اور ان کے یہاں سیم وزر کی بارش ہوتی ہے۔ روزی کی اس تقسیم کی وجہ سے بڑے بڑے اہل علم ودانش حیرت کا شکار ہو کر منکر خدا بن گئے: اور اللہ کے نظام سے باغی ہو کر دین و دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہیں ان دونوں شعروں میں ابوالعلاء معرّی نے قدرت کی تقسیم رزق کو گویا معیوب قرار دیا ہے اور اس کے نزدیک یہ صورتِ حال الحاد و زندقہ کا باعث ہے۔

مگر اسی نظام رزق کو دوسرے انداز میں سوچا جائے تو اہل ایمان و یقین کے لئے اس میں یقین وایمان کی روشنی موجود ہے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کے ایک مومن شاعر نے ابوالعلا معرّی کے ان اشعار کا معارضہ ومقابلہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاھبہ   وجاھلٍ جاھلٍ تلقاہ مرزوقاً

بہت سے عقلمندوں کی روزی کے راستے بند وتنگ ہیں، اور بہت سے جاہل کو تم روزی والا دیکھو گے،

ھذا الذی زاد اھل الکفر لاسلوا   کفراً وزاد ولی الایمان ایماناً

اس صورت حال نے اہل کفر کو کفر میں آگے کر دیا ہے اور اہل ایمان کا ایمان زیادہ کر دیا ہے۔

یعنی اہل ایمان ویقین اس صورتِ حال کی وجہ سے اپنے اس عقیدے میں اور پختہ ہو گئے کہ رزق و معیشت کا معاملہ کسی کی ذاتی صلاحیت اور اہلیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم رزق دیتا ہے۔ اور رزق کا معاملہ علم وجاہل اور عقلمند و بے وقوف پر موقوف نہیں ہے۔ اور یہی بات بددین کے لئے مزید گمراہی کا باعث ہے کہ وہ اپنے خیال و معیار کے مطابق رزق کی تقسیم علم وجہل اور قابلیت و ناقابلیت کے مطابق چاہتا ہے۔ دیکھو ایک ہی بات ایک نقطۂ نظر کے لئے الحاد و بددینی کا سبب ہے جبکہ وہی بات دوسرے نقطۂ نظر کے لئے رشد و ہدایت اور ایمان ویقین کا باعث ہے۔ اگر انسان کا دل و دماغ اور نقطۂ نظر اچھا ہو تو وہ ہر بات میں اچھا پہلو نکال سکتا ہے۔

مفاد پرستی :-

حضرت امام بخاریؒ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ادب المفرد میں روایت کی ہے کہ ان کے باہمی تعلقات اور بے تکلف دوستی کا یہ حال تھا کہ اگر کسی کے گھر مہمان آجاتا تو اپنے گھر سے ملے ہوئے گھر کے توے پر سے روٹی اٹھا لاتا تھا اور مہمان کو کھلا دیتا تھا اور جب صاحب خانہ اپنے گھر آتا اور اسے معلوم ہوتا کہ ہمارے پڑوسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے پاس آکر شکریہ ادا کرتا کہ آپ نے ہمارے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر اس میں بھی مہمانی برکت کا موقع دیا۔

ایک طرف دوستی کا یہ اسلامی وانسانی معیار ہے دوسری طرف ہماری دوستی کا حال یہ ہے کسی کو ایک پیالی چائے پلانی ہو تو سوچتے ہیں اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ بلکہ پہلے اپنا فائدہ سوچ کر دوسرے کو چائے پلاتے ہیں کیونکہ یہاں اخلاق وانسانیت کوئی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز تجارت اور اپنا مفاد ہے، اگر یہ حاصل ہو تو گدھا بھی دادا ہے ورنہ دادا گدھا ہے

راہِ حج کے دو مُسافر

امام ابوالمظفر منصور سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کے سفرِ حج کے رفیق شیخ حسین بن حسن صوفی کا بیان ہے کہ ہم دونوں نے ایک گدھا کرایہ پر لیا جس پر امام ابوالمظفر سوار ہو کر مرو سے تین فرسخ مقام خرق تک چلے اور ہم وہاں اترے، میں نے کہا کہ ہمارے پاس سامان سفر میں صرف مٹی کا ایک لوٹا ہے، اگر کچھ ضروری سامان خرید لیں تو بہتر ہو، یہ سن کر امام ابوالمظفر نے اپنی جیب سے پانچ درہم نکالے اور فرمایا اے حسین! میرے پاس یہی رقم ہے تم اسے لو اور جو چاہو خرید و، البتہ اس کے بعد ہم سے کوئی رقم طلب نہ کرنا۔ اس کے بعد ہم دونوں اسی بے سروسامانی میں آگے بڑھے، راستہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسانیاں فراہم کیں اور نہایت امن و آرام سے مکہ مکرمہ پہونچے اور ۴۶۸ھ میں ابوالمظفر اور میں دونوں حج کے جملہ ارکان ادا کر کے بخیر و خوبی مَرو واپس آئے[1]

یہ اس زمانہ کی بات ہے جب حجاج قافلہ در قافلہ منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے اپنے اپنے وطن سے حجازِ مقدس پہونچتے تھے اور نہایت تکلیف و مشقت سے فریضۂ حج ادا کرتے تھے، غور کرنے کی بات ہے کہ خراسان کے مَرْو سے عرب تک کے سفر میں سامان سفر میں مٹی کا ایک لوٹا اور جیب میں پانچ درہم تھے، پھر یہ سفر یوں پورا ہوا کہ امام ابوالمظفر حج و زیارت سے کامیاب واپس آئے اور پھر علمی و دینی مشاغل میں پوری زندگی بسر کی، ان کٹھن حالات کے مقابلہ میں آج سفرِ حج و زیارت کس قدر آسان ہو گیا ہے، اور برّ و بحر اور فضا کی راہیں بے تکلیف و بے تکلّف طے ہو رہی ہیں، بلکہ آرام کے اسباب و حالات زیادہ میسّر آئے ہیں، اور ایک طبقہ اُس کو غلط کمائی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اللہ کی راہ میں یہ حرکت بڑی بری بات ہے

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۳۴۳